POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 03-34 September 2025, R.N.I No. 2186/57
POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511
Total Pages 8

HAMARI ZABAN (Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان
اشاعت کا 86 واں سال

Date of Publication: 02-09-2025 • Price: 5/- • 8-14 September 2025 • Issue: 34 • Vol:84
۸تا۱۴رستمبر ۲۰۲۵ء • شمارہ:۳۴ • جلد:۸۴

فکاہیہ

خود اپنی یاد میں

ایک تعزیتی مضمون

رؤف پاریکھ

نام رؤف پاریکھ تھا۔ بعض تذکرہ نویسوں نے رؤف باریک بھی لکھا ہے جو ان کی صحت پر جامع تبصرے کی حیثیت رکھتا ہے۔ کچھ نے داڑھی کی رعایت سے رؤف باریش بھی لکھا ہے۔ کسی زمانے میں اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر بھی لکھتے تھے لیکن ثقہ راویوں کے مطابق ڈاکٹر تو کجا کمپاونڈر بھی نہ تھے۔ نہ دوائے دردِ دل بیچتے تھے اور نہ مہ رخوں سے بہرِ ملاقات مصوّری کرتے تھے، نجانے کام کیسے چلتا ہوگا۔ ہاں کسی عمر میں شاعری فرمانے کی سعیِ ناکام فرمائی تھی سو ایک عمر میں سبھی کرتے ہیں، یہ کوئی قابلِ ذکر بات نہیں۔ خیر مرحوم کی سوانح عمری میں ویسے بھی کوئی بات قابلِ ذکر نہیں ہے۔ پطرس بخاری نے اپنے ایک دوست کی شرافت کا یہ ثبوت پیش کیا ہے کہ وہ کبھی جیب کاٹتے ہوئے نہیں پکڑے گئے (حالاں کہ اس سے دوست کی چابک دستی کی تصدیق ہوتی ہے نہ کہ شرافت کی)۔ اس لحاظ سے (یعنی پکڑے نہ جانے کی بنا پر) مرحوم بھی شریف آدمی تھے۔ سگریٹ تک نہ پیتے تھے، نہ کبھی کسی کا خون پیا۔ بس اردو اخبارات میں زبان کا استعمال دیکھ کر خون کے گھونٹ پیتے رہتے تھے۔

کوئی دیوان نہیں چھوڑا اور یہ اچھا ہی ہوا، ورنہ لوگ انھیں نہیں چھوڑتے۔ شاعری کا نمونہ بھی ضائع ہوگیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں لوگ کتنے باذوق ہوا کرتے تھے۔ اب تو ہر ہفتے سات شعری مجموعوں کی رونمائی یا منہ دکھائی ہوتی ہے اگرچہ کسی ایک کا بھی شاعر منھ دکھانے کے قابل نہیں رہتا۔ اس تقریبِ رونمائی میں مضمون پڑھنے والا کوئی شخص شرعاً گواہ بھی نہیں بن سکتا ہے کیوں کہ اس طرح سچائی کا وہ معیار ساقط ہوجاتا ہے جو ثقہ شرعی گواہ کے لیے لازم ہے۔

انیس سو اٹھاون میں پیدا ہوئے اور جیتے چلے گئے حالاں کہ جس شہرِ خرابی یعنی کراچی کہ ان کا مولد و مسکن تھا اور بعد میں مدفن بنا، طویل عرصے تک حد درجے فتنہ و فساد کا شکار رہا اور سیاست کے ہاتھوں ہزاروں عدم کو سدھارے لیکن یہ اپنی فطری و خلقی ڈھٹائی کے سبب محاذِ حیات پر ڈٹے رہے اور قارئین کے سینے پر مونگ دَلتے رہے۔

آبا و اجداد کہیں سے نہیں آئے تھے، کاٹھیاواڑ (گجرات) ہی میں رہتے تھے۔ یہ اپنی نوعیت کے پہلے اور غالباً آخری آبا و اجداد تھے جو اطرافِ عرب یا اکنافِ ایران سے تشریف نہیں لائے تھے اور نہ خاکِ کابل و ہرات ہی کو داغِ مفارقت دیا تھا۔ عجیب مقامی اور غیر رومانوی قسم کے آبا و اجداد تھے۔ اسی لیے مرحوم نے کبھی غالب کے برعکس 'ایبکیم' قسم کا دعوا نہیں کیا اور اچھا ہی کیا ورنہ اس سقیم صحت اور عقیم حالت پر ترک یا پٹھان ہونے کا دعوا کون تسلیم کرتا۔ ہاں البتہ ان کے والد صاحب نے پاکستان کو ہجرت کی اور آخری وقت تک ڈومیسائل کے مسائل میں الجھے رہے۔

مرحوم کی تعلیم واجبی سی تھی اسی لیے جو کچھ لکھنا ہوتا تھا خود ہی لکھ لیتے تھے، انگریزی سے ترجمہ نہیں کرنا پڑتا تھا۔ زیادہ پڑھے لکھے ہوتے تو مابعدِ جدیدیت، ساختیات اور مابعدِ نوآبادیات قسم کے مضامین کے سوا نہ کچھ پڑھ سکتے اور نہ کسی اور چیز کا ترجمہ کرسکتے۔ دانش ور کہلانے کے لیے قارئین کو ذہنی بدہضمی میں مبتلا کرنا ضروری نہیں سمجھتے تھے اور یہی ان کی تحریروں کی واحد خوبی ہے۔ مادری زبان اردو نہیں تھی اور اسی لیے اس کے استعمال میں حد درجہ احتیاط برتتے تھے، اہلِ زباں ہوتے تو خوب خوب ہاتھ صاف کرتے اور صاف کہہ دیتے کہ ''میاں! گھر کی لونڈی ہے'' (بقول ابنِ انشاء، جو لوگ اردو کو گھر کی لونڈی سمجھتے ہیں وہ اس سے سلوک بھی ویسا ہی کرتے ہیں)۔

ایک تذکرہ ان کا لکھا ہوا ظریف محرّروں کے بارے میں ہے جس کا نام سخن ورانِ ظریف یا کچھ اسی قسم کا ہے۔ ہم نے پڑھا نہیں لیکن سنا ہے کہ اس میں سخن وروں کے حالات اور کلام تو کم ہے دیگر خرافات مثلاً سیاسی و سماجی حالات وغیرہ سے پُر ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ اس تذکرے کا نام بھی کچھ اور ہے اور کچھ تحقیق و تنقید وغیرہ کی لغویت کا دم چھلّا بھی لگایا ہے۔ اکثر لوگ اسے ناقص بتاتے ہیں۔ ہم نے پڑھا نہیں لیکن

ع لوگ کہتے ہیں تو پھر ٹھیک ہی کہتے ہوں گے

مرحوم کو خود پر مزاح نگار ہونے کا بھی گمان تھا اور اسی لیے دیگر تصانیف میں ظریفانہ مضامین بھی شامل ہیں۔ ان میں مزاح فرمانے کی سعی کی ہے اور سنا ہے کہ مرحوم خود ہی پڑھ پڑھ کر ہنستے رہتے تھے۔ کچھ تراجم فرنگی زبان سے بھی کیے اور کچھ نقلیات بچوں کے لیے تحریر کیں۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ سب بھی ناقص ہی ہوگا۔

شنید ہے کہ روزی رسانی کے لیے اپنے ہی لکھے ہوئے علمی و ادبی شہ پاروں کے اصل مسودے ردی میں بیچتے تھے اور گزر بسر کرتے تھے۔ ان کی بسیار نویسی اور ادبی پرچوں کے مدیروں کی دور اندیشی (کہ وہ ان کے مسودوں پر 'نا قابلِ اشاعت' لکھ کر واپس بھجوا دیتے تھے) کے سبب ہر ماہ بھاری یافت ہوتی تھی۔

حافظہ غضب کا تھا لیکن مخبوط الحواس تھے چناں چہ حالی کا مرثیۂ غالب اپنی شادی کا سہرا سمجھ کر سنایا کرتے تھے۔ خاص طور پر اس مرثیے کا یہ شعر اپنی رسمِ نکاح کو یاد کرکے بار بار پڑھتے تھے:

ایک روشن دماغ تھا، نہ رہا
شہر میں اک چراغ تھا، نہ رہا

اپنا اور غالب کا بیش تر کلام حفظ تھا جو بسا اوقات ہاضمے کی خرابی کے سبب گڈ مڈ ہوجایا کرتا تھا اور اسی لیے غالب کی بعض غزلیں اپنے نام سے شائع کرادیں۔ لوگوں کے اعتراض پر اپنا کچھ کلام غالب کے نام سے چھپوا کر تلافی کردی۔ اُس واقعے کا اکثر ذکر کرتے جس میں بتایا گیا ہے کہ غالب نے مومن سے کہا تھا کہ تم اپنا ایک شعر مجھے دے دو اور میرا سارا کلام لے لو۔ وہ شعر یہ تھا:

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

کہتے تھے کہ اگر مومن مجھے اپنا یہ شعر دے دیتے تو میں اُن کو اپنا صرف آدھا کلام دیتا اور اس شعر میں تبدیلی کرکے اسے یوں کردیتا:

تم مرے پاس ہوتی ہو گویا
جب کوئی تیسری نہیں ہوتی

اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر غالب زندہ ہوتے تو میں اپنا بقیہ نصف کلام اُن کو دے دیتا اور اُن سے اُن کی وہ غزل لے لیتا جس کے مقطعے میں سراپا ناز سے پیش دستی اور دھول دھپے کا ذکر ہے۔ ہماری ذاتی رائے میں غالب ان کو ایک غزل کیا سارا کلام دے دیتے مگر ان کا ایک شعر بھی ہرگز نہ لیتے۔

جب ادبی پرچہ نکالنے کی وبا نے پورے ملک بلکہ ہمسایہ ملک کے شاعروں اور ادیبوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تو انھوں نے بھی اس وبا کی زد میں آنے کی پوری کوشش کی لیکن ردّی فروشوں سے بات

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کرسکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

چیت ناکام ہوجانے کے باعث ان کا دل ٹوٹ گیا اور انھوں نے یہ ارادہ ترک کردیا۔ دل ٹوٹنے کی ثانوی وجہ بل ادا نہ کرسکنے کی بنا پر گھر کی بجلی کا انقطاع تھا اور ظاہر ہے کہ بجلی نہ ہو تو روشن دماغی بھی گھر میں اجالا نہیں کرسکتی۔ اس واقعے سے ان کی مالی حالت پر بھی، بجلی نہ ہونے کے باوجود، خاصی روشنی پڑتی ہے۔

ان کی وفات پر ان کی اہلیہ نے گھر کا جملہ اثاثہ یعنی کئی ٹن غیر مطبوعہ مسوّدے (یعنی ردّی)، ایک پرانی چھتری (جو مرحوم تنقیدی اجلاسوں کے دوران میں تان لیا کرتے تھے)، دو تین ٹوٹے ہوئے قلم، آدھی درجن عینکیں، کئی درجن محبت نامے (جو مرحوم بوجوہ پوسٹ نہ کرسکے)، آٹھویں جماعت پاس کرنے کا سرٹیفکیٹ اور ہزاروں کتابیں (جو مرحوم نے مقامی کتب خانوں سے بڑی محنت سے چُرائی تھیں) عطیہ کرنے کی کوشش کی لیکن خوش قسمتی سے کوئی بھی انھیں لینے پر آمادہ نہ ہوا۔ مذکورہ بالا ملبہ آج بھی رؤف پاریکھ یادگاری مجلس وعجائب گھر میں دھرا ہے جو مرحوم اپنی زندگی میں اپنے مکان کے صحن میں قائم کر گئے تھے۔

یاروں کا خیال ہے کہ کثرتِ مطالعہ کے سبب انتقال کیا۔ لیکن نقادوں اور محققوں کا کہنا ہے کہ بے دھیانی میں اپنا لکھا ہوا کوئی مسودہ پڑھ لیا تھا جس سے فی الفور موت واقع ہوگئی۔ اخبارات اور ادبی رسائل کی فائلوں میں دفن ہیں (اور رہیں گے)۔

کہتے ہیں آج ذوق جہاں سے گزر گیا
کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

ڈاکٹر رؤف پاریکھ
A-337، بلاک19، گلشنِ اقبال، کراچی، پاکستان
drraufparekh@yahoo.com

فریاد آزر: تخلیقی اُفق پر جگمگاتا ستارہ

سراج زیبائی

ڈاکٹر فریاد آزر (1956-2024) کا نام اردو شعروادب میں ایک صاحبِ طرز شاعر و ادیب کی حیثیت سے معروف ومقبول ہے۔ موصوف نہایت وسیع القلب اور معتبر و مستند تخلیق کار رہے ہیں۔ وہ ادب کی راہوں میں اپنی انفرادیت کی خوشبو قائم رکھ کر سرخرو ہونا چاہتے ہیں۔ فریاد آزر کو کئی اصحابِ علم وفن کا قرب حاصل رہا ہے۔ اس کا فیض ہے کہ ان کی ہر تخلیق نکھری ہوئی شکل میں ملتی ہے۔ شاعری میں غزل سب سے ممتاز مقام رکھتی ہے۔ آزر نے غزل کے تمام لوازمات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے شاعری کی ہے اور بلاشبہ اچھی شاعری کی ہے۔ ان کی مجموعی شاعری کو پڑھ کر ہمیں اندازہ ہوا کہ موصوف بھرپور اعتماد اور استغنا کے ساتھ اپنے اشعار خلق کرتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے وہ اپنی شاعری کے ذریعے کسی ذہنی رو، کسی خیال کا موثر اظہار کرنا چاہتے ہیں۔

فریاد آزر نے کبھی بھی ہرجا و بے جا موضوعات پر قلم نہیں اُٹھایا ہے۔ ان کی شعریات میں پیچیدگی دیکھنے کو نہیں ملتی ۔ یہ ایک ہمہ جہت شخصیت، ذی علم اور منفرد طرز کے شاعر ہیں جنھوں نے اپنی فہم و فراست، فنی وفکری بصیرت اور غیر معمولی تخلیقی صلاحیت کی بدولت ادب میں اپنی شناخت بنائی ہے۔ شعروادب کے مختلف موضوعات پر انھوں نے اپنی شاعری میں اظہارِ خیال کیا ہے۔ آزر نے جدید ادب پاروں کا بہ غائر مطالعہ کیا ہے۔ لہٰذا اپنی شاعری میں کھل کر سبھی نظریات کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ شاعری دراصل عام فہم ہونی چاہیے۔ ایسی کہ ہر کس و ناکس سمجھ سکے۔ آسان اور سادہ زبان میں خیالات پیش کیے جائیں جن سے قاری براہِ راست لطف اندوز ہو۔ پڑھنے والے یہ کہیں کہ شاعر نے اپنے بیان کی دلکشی، دل آویزی اور مرقعوں کی جاذبیت کا کمال دکھایا ہے۔ اسی حوالے سے معروف نقاد حقانی القاسمی فرماتے ہیں:

''جدید غزل کے منظرنامے پر فریاد آذر کا نام اس اعتبار سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ روایتی حصار سے باہر نکل کر عصری حالات، تغیرات اور تموّجات کو انھوں نے اپنی شاعری میں جگہ دی ہے اور آج کے عہد کی تفہیم بالکل نئے زاویے سے کی ہے۔ انھوں نے احساس واظہار کے جو صنم کدے تعمیر کیے ہیں ان میں ان کے خونِ جگر کی نمود ہے''۔ ہمارے اکثر شعرا اپنی شاعری میں سماج اور اس کے اردگرد کی الجھتی و سلجھتی زندگی اور اس کی پیچیدگیاں، کڑوی اور سچی حقیقتیں اور نفسیاتی کشمکش کو اپنی شاعری میں واضح کرتے ہیں۔ جیسے فریاد صاحب نے یہاں فریاد کی ہے:

ذلیل خود کو اُسے باوقار کرنا پڑا
یہ اہتمام مجھے بار بار کرنا پڑا

وہ دولتِ دنیا بھی مرے کام نہ آئی
پچھتائے بہت مانگنے والے کو نہ دے کر

نہ جانے آگ لگا کر کدھر گئے اپنے
لگے بجھانے کو ہمسایے ڈر گئے اپنے

آزر چوں کہ سحر طراز تخلیقی تجربوں سے گزرے ہیں، جبھی تو اس نوع کے اشعار ان کی نوکِ قلم سے نکلے ہیں:

کہا تھا اس نے کہ اپنا بنا کے چھوڑوں گا
پھر اُس نے واقعی اپنا بنا کے چھوڑ دیا

جتنا معصوم سمجھ بیٹھا ہے آزر خود کو
اتنے معصوم تو اس عہد کے بچے بھی نہیں

بتاتی ہے یہاں پر حادثہ کوئی نہیں گذرا
سفینہ ڈوبنے کے بعد منجھداروں کی خاموشی

اس طرح کے اشعار ان کے ذہنی وجذباتی امتیازات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ موصوف نے اپنی پسندیدہ علامتوں کے ذریعے بڑے حسین وجمیل پیکر تراشے ہیں۔ انسان کی محرومیاں جب شدید ہو جاتی ہیں تو وہ کسی حساس بنکار کی تخلیق میں نمایاں ہوتی ہیں۔ جب قاری انھیں پڑھتا ہے تو اس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور پلکوں پر آنسو تیرنے لگتے ہیں۔ فریاد آزر کے تخلیقی رنگ محل میں سبھی شعری جلوہ سامانیاں نظر آتی ہیں۔ آپ غزل کہنے پر آتے ہیں تو غزل کے پورے لوازمات پیشِ نظر ہوتے ہیں۔ لہجے میں ندرت اور اسلوب میں شائستگی غرض یہ کہ آپ اپنے عہد کے ایک قابلِ ذکر تخلیق کار کی حیثیت سے اُبھرے ہیں۔ ہماری تخلیقات میں اگر زبان میں ناہمواری ہو تو قاری کو قرأت کے دوران ناگوار گزرتی ہے۔ اس ضمن میں لفظوں کو غیر محتاط انداز میں برتنے کے خلاف کئی مقامات پر جوشؔ اور سردار جعفری نے آوازیں بلند کیں۔ اس حوالے سے فریاد آزر نے ہمیشہ لفظیات کے برتنے میں تحمل اور احتیاط سے کام لیا ہے اور اپنی تحریروں میں کئی موضوعات کو زندگی بخشی اور زندگی کے کئی پہلوؤں کو روشن کیا ہے۔ جبھی تو ہمارے اہلِ قلم آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اپنی تحریروں میں آپ کی عظمت کا بیان کرتے ہیں۔

آزر صاحب کی شاعری کی راہوں میں ان کا ادبی چہرہ واضح نظر آتا ہے۔ انھوں نے زندگی کے ہر پہلو کو بہت ہی خوب صورتی سے اپنی شاعری میں برتا ہے۔ انھوں نے اپنے اردگرد کے ادبی ماحول میں جو کچھ دیکھا اور جو کچھ پایا اُسے بہت ہی عقیدت ومحبت کے ساتھ دلچسپ انداز میں اپنی شاعری میں اس طرح پیش کردیا:

احباب سن نہ پائے جو میرے قریب کے
آواز میری وہ بھی بہت دور تک گئی

یہ لوگ میرے غم کا اُڑاتے بہت مذاق
بس اس لیے کہا تھا کہ میں خیریت سے ہوں

جب دشمنانِ دین تشدد میں آگئے
کچھ لوگ راتوں رات تہجد میں آگئے

آزر اپنی غزلوں میں معنویت سمونے اور ہر پل غزل کے گیسو سنوارنے میں منہمک نظر آتے ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری میں پرانے کلاسیکی فارم اور ہیئت کو برقرار رکھتے ہوئے نئی سمتوں کی کھوج کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔ ان دنوں شاعری میں وہی گھسے پٹے خیالات کو شعری جامہ پہنایا جاتا ہے، کوئی بھی نئی اور ان کہی بات پڑھنے کو نہیں مل رہی ہے۔ اس حوالے سے آزر کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

وہی خیال وہی بندشیں وہی الفاظ
کتاب جو بھی اُٹھاؤں پڑھی ہوئی سی لگے

آج کے انٹرنیٹ اور سائبر کے دور میں بھی کتابیں سیکڑوں کی تعداد میں چھپ رہی ہیں لیکن انھیں پڑھنے والے کم کم ہی ہیں۔

کتابیں رو رہی ہیں مدتوں سے اپنی قسمت پر
سجا کر شیلف میں رکھ دی گئیں، پڑھتا نہیں کوئی

اکثر شعروں میں آزر عہدِ حاضر کے مسائل کی ترجمانی کرتے ہیں۔ انسان ان دنوں جس مشینی عمل سے گزر رہا ہے اس کا ردِعمل ان کی شاعری میں ہم دیکھ سکتے ہیں۔

دیکھتی رہ گئیں آنکھیں سرِ دربار سبھی
دفعتاً گر گئے سجدے میں فسوں کار سبھی

ان کی شاعری میں انسان کی زبوں حالی کی تصویریں صاف نظر آتی ہیں۔ آزر نے اپنی شاعری میں کلاسکی لفظیات اور محاکات کا خوب استعمال کیا ہے۔ اکثر جگہوں میں ان کا انداز بیانیہ نظر آتا ہے۔ یہ بندھی ٹکی اور فرسودہ تشبیہات و استعارات سے ہمیشہ گریز کرتے ہیں۔ غزل ایک ایسی لطیف شعری صنف ہے جس میں استعمال ہونے والے الفاظ میں موزونیت ہونی چاہیے چست اور برجستہ لفظیات کو برتنے سے معنی و مفہوم واضح طور پر اُبھر کر سامنے آتے ہیں۔ شعرا کو الفاظ کو برتنے کا ہنر آنا چاہیے۔ آزر نے چوں کہ اوائلِ عمری ہی سے شعروشاعری کو اپنا شغل بنایا ہوا تھا، لہٰذا ان کا قلم منجھا ہوا ہے۔ اب ان کی شاعری کی قرأت سے

ان کے ارتقا پذیر ذہن کا ثبوت ملتا ہے۔ دردِ نہاں کے مرحلے سے شاعر جب گزرتا ہے تو اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے، ان اشعار سے اندازہ لگا سکتے ہیں:

دل نے چاہا تھا مگر درد کی لذت نہ ملی
ہم ترستے ہی رہے ہم کو محبت نہ ملی

آج کا دور اہلِ ہنر کی کہاں قدر کرتا ہے۔ جیتے جی اس کی اہمیت نہیں ہوتی۔ اس کا واویلا ہر شاعر کرتا ہے۔ آزر کہتے ہیں:

وقت نے قدر کب ہماری کی
ہم بھی تھے اس کے دستیابوں میں

آزر صاحب کے اکثر شعروں میں رچی ہوئی شائستہ اور ملائم حسیت کا اظہار رہوا ہے۔ زندگی کے حوالے سے فراق نے کہا تھا:

زندگی کیا ہے آج سے اے دوست
سوچ لیں اور اداس ہو جائیں

آزر کے ہاں زندگی کی حقیقت افروز کیفیتیں ملیں گی:

موت کا کام تھا کرنا ہی مرا کام تمام
زندگی نے بھی کچھ ایسا ہی رویہ رکھا

موت کے بعد دیکھیے کیا ہو
زندگی کٹ گئی عذابوں میں

موت نے بارہا آ آ کے ڈرایا لیکن
زندگی پھر بھی مری لاش پہ بیٹھی ہوئی تھی

آزر کے کئی اشعار تو اظہارِ بیان کی تازگی کی وجہ سے فوراً اپنی جانب متوجہ کر لیتے ہیں:

غریب ہوتے ہوئے بھی امیر ہیں ہم لوگ
خدا کا شکر ابھی باضمیر ہیں ہم لوگ

پروفیسر ابنِ کنول کے قول کے مطابق ’’جذبات و احساسات کے اُبلتے لاوے نے آزر کی شاعری میں ایسی تپش پیدا کر دی ہے جو مردہ احساسات کو گرماتی ہے۔ ان کی شاعری اردو شاعری کی تاریخ میں خود اپنا مقام متعین کرے گی۔‘‘ ان کے اکثر شعروں میں انسان کی محرومیوں کا ذکر بڑے ہی پُر اثر انداز میں ہوتا ہے۔ یہ اشعار ایسے ہیں جن میں مظلومیت کی ترجمانی صاف طور پر نظر آتی ہے:

دفن کر دیتا تھا پیدا ہوتے ہی عہدِ قدیم
رحم ہی میں مار دیتا ہے اسے دورِ جدید

اپنے غم سے بھی اُسے اتنی پریشانی نہ تھی
میری خوشیاں دیکھ کر جتنا اُسے صدمہ لگا

ڈاکٹر آزر نے ہمیشہ صاف ستھری زبان کو اظہار کا وسیلہ بنایا ہے۔ انھوں نے فکرِ نو سے نئے نئے پیکر تراشے ہیں۔ لفظوں کی ترتیب و تہذیب انوکھی ہے۔ رومانیت بھی ان کے شعروں میں اثر انگیزی پیدا کرتی ہے۔ مثلاً کچھ اشعار دیکھیے:

پیار کا ایک لمس کافی ہے
اور جو کچھ ہے سب اضافی ہے

سنا جس نے تجھ پر فدا ہوگیا
ترا ذکر وہ بھی زبانی مری

اس کی آنکھوں سے جو ٹکرا گئیں آنکھیں میری
پڑھ لیا اس نے مرے دل کا جریدہ از خود

فریاد آزر نے غزل کے تمام لوازمات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے شاعری کی ہے اور بلاشبہ اچھی شاعری کی ہے۔ ان کی مجموعی شاعری کو پڑھ کر ہمیں اندازہ ہوا کہ موصوف بھرپور اعتماد اور استغنا کے ساتھ اپنے اشعار خلق کرتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے وہ اپنی شاعری کے ذریعے کسی ذہنی رو، کسی خیال کا موثر اظہار کرنا چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر آزر شاعری میں اپنی باتوں کو بیان کرنے کا خاص ملکہ رکھتے ہیں اور پامال اور پیش افتادہ استعاروں اور علامتوں سے خود کو بچائے رکھتے ہیں۔ آزر نے روایت کا احترام کرتے ہوئے بھی غزل کے مزاج سے ہٹ کر اپنی راہ الگ بنائی اور اپنی منزلوں کی تلاش کی۔ یہ سچ ہے کہ بے مقصد شاعری ادب میں اپنا مقام نہیں بناتی، مگر وسیع تناظر میں مشاہدات، محسوسات اور عصری مسائل و مصائب کا پوری مقصدیت کے ساتھ آزادانہ اظہار ہو تو ایسی شاعری قابلِ قبول ہوتی ہے۔ ان دنوں لوگوں میں محبت کا فقدان نظر آتا ہے۔ ہر ایک کے دل میں نفرت و کدورت کا غبار اٹا ہوا ہے۔ اس حوالے سے فریاد آزر نے کیا خوب کہا ہے:

محبت اس قدر معتوب ہو کر مر رہی ہے
جہاں دیکھو وہیں نفرت حکومت کر رہی ہے

کوئی بھی مضمون ہو شاعری میں اُسے صحیح ڈھنگ سے بیان کرنے کا فن فریاد آزر کو خوب آتا ہے۔ یہ چند اشعار پڑھیے جن میں آزر کی شاعری براہِ راست زندگی کے مسائل و مصائب سے مکالمہ کرتی نظر آتی ہے:

زندہ تھا جب تو کوئی اُسے پوچھتا نہ تھا
مرنے کے بعد کتنے قصیدے پڑھے گئے

اس نے چاہا تھا غصے سے پاگل ہو جاؤں
میں نے اس کے ارمانوں پر پانی پھیر دیا

ہم نے دیکھا کہ ڈاکٹر فریاد آزر کی شاعری انسان دوستی، بھائی چارگی، رواداری، مساوات و اخوت اور امن و سلامتی کا پیغام دیتی ہے۔ جبھی تو پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی فرماتے ہیں کہ فریاد آزر روشن ذہن اور دردمند دل رکھتے ہیں۔ اپنی غزلوں میں تنگ نظری، تعصب، رجعت پسندی، مصلحت کوشی اور مفاد پرستی سے نبرد آما نظر آتے ہیں۔ خیال کی رو سے انھوں نے آئینہ خانے سجائے ہیں۔ وہ ایک ایسی دنیا تعمیر کرتے ہیں جس میں لفظیات ان کی اپنی ہیں، کہنے کا لہجہ ان کا اپنا ہے۔ آزر ایک ایسے شاعر ہیں جو زیست کی راہوں میں چوٹ کھا کر بھی منزل کی تلاش میں ہر وقت سرگرداں نظر آتے ہیں۔ مجموعی اعتبار سے دیکھا جائے تو فریاد آزر کی شاعری اپنے مزاج و منہاج سے لائقِ تحسین ہے اور انسان کی زندگی کے نشیب و فراز کا ایسا آئینہ ہے جس میں ہر کسی کو اپنا عکس صاف دکھائی دیتا ہے۔

سراج زیبائی
(شیموگہ، کرناٹک)
E-mail: sirajzebayi10@gmail.com
Mobile: 8296694020

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

میرے مضامین (مجموعۂ مضامین و مقالات)	ڈاکٹر ماجد دیوبندی	300/-
نسخۂ حفیظ الدین احمد	اطہر فاروقی	1000/-
سرودِ عشق	شاہ رُخ جمال	200/-
گل دوگانہ	سیّد کاشف رضا	300/-
مشائخِ دہلی کی جامع تاریخ	پروفیسر شریف حسین قاسمی	700/-
مقالاتِ نظامی (پانچ جلدیں)	خلیق احمد نظامی	4500/-
نگینے لوگ (خاکوں کا مجموعہ)	معصوم مرادآبادی	250/-
ہمارا شہر اُس برس (گیتا نجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	700/-
میں میر میر کر اس کو بہت پکار رہا	سرور الہدیٰ	500/-
1857 کی اَن کہی حیرت انگیز داستانیں	شمس الاسلام	300/-
دیووں کا ظہور (الوک اگروال/ مینک اگروال)	مترجم: سیّد وجاہت مظہر	500/-
غزل اور فنِ غزل	ڈاکٹر نریش	200/-
فرہنگِ تلفظ: ایک تحقیقی و تنقیدی مطالعہ	سیّد رضوان علی ندوی	
	رؤف پاریکھ	250/-
مشاہیرِ ادب کے خطوط رشید حسن خاں کے نام	ابراہیم افسر	600/-
منیب الرحمٰن کی ایک صدی	بیدار بخت/ انور احمد	400/-
اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	300/-
رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	300/-
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	900/-
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس مکھیا	300/-
میانِ من و تو (تحقیقی و تنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	500/-
میرا جنون اردو (خطبات و مضامین)	طاہر محمود	700/-
میر کی خودنوشت سوانح (نثار احمد فاروقی)	صدف فاطمہ	400/-
کلیّاتِ خطباتِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	400/-
آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر بشیر بدر	500/-
اداریے (مشفق خواجہ)	محمد صابر	500/-
انور عظیم کی ادبی کائنات	فیضان الحق	700/-
بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں)	غلام حیدر	2400/-
تحقیق و توازن	ڈاکٹر نریش	250/-
تحقیقی مباحث	رؤف پاریکھ	300/-
چند فکری و تاریخی عنوانات	پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن	400/-
ریت سمادھی (گیتا نجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	900/-
حکمِ سفر دیا تھا کیوں	شانتی ویرکول	200/-
عہدِ وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے چند اہم پہلو	اقتدار عالم خاں	350/-
قدرت کا بدلا (موسم کا بدلاؤ)	سیّد ضیاء حیدر	600/-
کتابیاتِ حالی	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	300/-
یہ تو عشق کا ہے معاملہ	ڈاکٹر ہلال فرید	300/-
جب دیوں کے سر اُٹھے	ڈاکٹر ہلال فرید	360/-
سیر المنازل (مرزا سنگین بیگ)	شریف حسین قاسمی	600/-
محرابِ تمنا	فطرت انصاری	200/-
مکتوباتِ مولوی عبدالحق بنام مشاہیر...	میر حسین علی امام، یاسمین سلطانہ فاروقی	700/-
لفظ (کلیاتِ زہرا نگاہ)	زہرا نگاہ	500/-
In This Live Desolation (Autobiography of Akhtarul Iman)	ترجمہ: بیدار بخت	500/-
سخنِ افتخار (کلیاتِ افتخار عارف)	افتخار عارف	1500/-
گواہی (شاعری)	گوہر رضا	500/-
میری زمین کی دھوپ (ہندی)	ونود کمار ترپاٹھی بشر	400/-
کھُلا دروازہ	ڈاکٹر نریش	250/-
ٹیپو سلطان کا خواب (گریش کرناڈ)	محبوب الرحمان فاروقی	300/-
اپنی دنیا آپ پیدا کر	غلام حیدر	900/-

اردو دُنیا

اردو میڈیم مدارس اور اساتذہ کے مسائل کے حل کے لیے

جناب عامر علی خاں سے ملاقات

نظام آباد (24 اگست)۔ اردو میڈیم اسکولوں کے مسائل اور غیر منظور شدہ اساتذہ کے عہدوں کے مسئلے کو لے کر ناصر خاں، سہیل پرویز، محمد ثناء الدین اور عارف بیگ پر مشتمل ایک وفد نے تلنگانہ قانون ساز کونسل کے رکن جناب عامر علی خاں سے ملاقات کی۔ اس موقعے پر وفد نے بتایا کہ نظام آباد کے ہائی اسکولوں اور یو پی ایس اردو میڈیم اسکولوں میں کئی عہدے طویل عرصے سے غیر منظور شدہ ہیں جس کی وجہ سے تعلیمی معیار متاثر ہورہا ہے اور طلبہ کو شدید دشواریوں کا سامنا ہے۔ وفد نے وضاحت کی کہ اردو میڈیم اسکولوں کی موجودہ صورتِ حال روز بروز پیچیدہ بنتی جارہی ہے اور اگر فوری طور پر غیر منظور شدہ عہدوں کی منظوری عمل میں نہ لائی گئی تو یہ صورتِ حال مزید سنگین ہوسکتی ہے۔ انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ ان عہدوں کی منظوری سے نہ صرف اساتذہ کی کمی پوری ہوگی بلکہ تعلیمی معیار کو بھی بہتر بنانے میں مدد ملے گی۔ وفد نے جناب عامر علی خاں کو بتایا کہ اس مسئلے پر مکمل ڈیٹا پہلے ہی ڈی ای او نظام آباد کو پیش کیا جاچکا ہے جس میں مضمون وار اساتذہ کی تفصیلات موجود ہیں۔ اسی نمائندگی کی ایک کاپی جناب عامر علی خاں کو بھی پیش کی گئی تاکہ وہ اسے حکومت کی سطح پر اجاگر کرسکیں۔ رکن قانون ساز کونسل جناب عامر علی خاں نے وفد کی نمائندگی کو بغور سنا اور یقین دہانی کرائی کہ وہ اس سلسلے میں شخصی طور پر وزیرِ اعلا تلنگانہ اور وزیرِ تعلیم سے بات کریں گے۔

(سیاست۔حیدرآباد)

کاشی ودیاپیٹھ میں اردو کلاسز شروع نہ ہونے سے طلبہ مایوس

وارانسی (25 اگست)۔ شعبۂ اردو مہاتما گاندھی کاشی ودیا پیٹھ میں بی اے اور ایم اے کی کلاسز موجودہ سیشن میں ابھی تک نہیں شروع ہوسکیں، جب کہ دیگر شعبوں میں تقریباً ایک ماہ سے کلاسز چل رہی ہیں۔ ایسے میں اردو کے طلبہ و طالبات اِدھر اُدھر بھٹک رہے ہیں۔ چوں کہ شعبۂ اردو میں مستقل اساتذہ کا تقرر ابھی تک نہیں ہوسکا ہے، اس لیے درس وتدریس کا کام گیسٹ ٹیچر کے ذریعے انجام دیا جاتا ہے لیکن اس بار ابھی تک گیسٹ ٹیچر کی تقرری بھی عمل میں نہیں آسکی ہے، لہٰذا بی اے فرسٹ سمسٹر، تھرڈ سمسٹر، فورتھ سمسٹر اور ایم اے تھرڈ سمسٹر کے طلبہ شعبۂ اردو روزانہ آتے ہیں اور کلاسز نہ چلنے کی وجہ سے مایوس ہوکر اپنے گھر واپس چلے جاتے ہیں۔ تمام طلبہ نے 'انقلاب' کے ذریعے ڈین آف ہیومنیٹیز اور یونی ورسٹی کے وائس چانسلر سے گزارش کی ہے وہ جلد از جلد کلاسز شروع کرنے کا انتظام کرائیں۔ (انقلاب۔دہلی)

بودھن میں اردو صحافیوں کے دفتر کے قیام کے لیے راہ ہموار

بودھن (21 اگست)۔ سابق ریاستی وزیر و رکنِ اسمبلی بودھن سدرشن ریڈی نے اردو صحافیوں سے کیے گئے انتخابی وعدے کی تکمیل کی راہ ہموار کرنے کی غرض سے ڈاکٹر علامہ اقبال اردو گھر بودھن کے سامنے موجود گرین بیلٹ پر کیے گئے ناجائز قبضے کو ختم کرواتے ہوئے اردو صحافیوں کے دفتر کے لیے جگہ فراہم کرکے حالات سازگار بنائے۔ اردو گھر انتظامی کمیٹی کے سابق صدر محمد ابراہیم کے دورِ صدارت میں سال 2012 کے دوران اردو گھر کی عمارت کے سامنے اردو صحافیوں کو اپنے آفس کے قیام کے لیے جگہ فراہم کی گئی تھی۔ 2014 کے دوران بی آر ایس حکومت میں اردو گھر انتظامی کمیٹی نے جبراً اردو صحافیوں کے دفتر خالی کروا دیتے تھے۔ سال 2023 کے دوران ہوئے اسمبلی کے عام انتخابات سے قبل اردو صحافیوں نے شکیل عامر سے اردو یونین آفس واپس کرنے کی اپیل کی تھی لیکن شکیل عامر نے اردو صحافیوں کی اپیل کو مسترد کردیا تھا۔ بالآخر صحافیوں نے کانگریس کے امیدوار سدرشن ریڈی سے رجوع ہوکر اپنے مسائل پیش کیے۔ سدرشن ریڈی نے صحافیوں کے مسائل ختم کرانے کی یقین دہانی کرائی۔ مکانات کے تعمیری کاموں کا جائزہ لینے کے لیے بودھن کے دورے کے موقعے پر سدرشن ریڈی نے تحصیل دار وٹھل کو طلب کرکے اردو صحافیوں کو پلاٹس اور مکانات کی تعمیر کے لیے رقمی امداد فراہم کرنے کی ہدایت دی۔

(سیاست۔حیدرآباد)

اردو اساتذہ کی ٹریننگ، ورکشاپ اور اردو کی تعلیم کو منظّم کرنے کی یقین دہانی

سمستی پور (30 اگست)۔ اردو زبان کی معیاری تعلیم کے لیے ضروری ہے کہ اسکول کے روٹین میں لازمی طور پر اردو کو شامل کیا جائے، اردو زبان کے اساتذہ کی الگ سے ٹریننگ ہو اور ورکشاپ وغیرہ کا نظم کیا جائے۔ اسکول میں جب آپ جائیں تو یہ جانکاری ضرور حاصل کریں کہ اردو اساتذہ بحال کیے گئے ہیں اور بچے ہیں تو اردو زبان کی درس وتدریس ہورہی ہے کہ نہیں۔ اگر نہیں ہورہی ہے تو اسے سنجیدگی کے ساتھ لیا جانا چاہیے۔ یہ باتیں قومی اساتذہ تنظیم بہار کے ریاستی کنوینر محمد رفیع نے آج ضلع پروگرام افسر (ایس ایس اے) سمستی پور جناب جمال الدین سے قومی اساتذہ تنظیم بہار کے ایک وفد کے ساتھ ملاقات کرکے ان سے گفتگو کے درمیان کہی۔ قومی اساتذہ تنظیم بہار کا وفد جناب محمد رفیع کی رہنمائی میں جناب جمال الدین صاحب سے ان کے سمستی پور واقع آفس (شکشا بھون) میں مل کر انھیں ڈی پی او ایس ایس اے سمستی پور کی نئی ذمے داری ملنے پر مبارک باد پیش کی۔ جناب جمال الدین نے اس موقعے پر یقین دلایا کہ جو ممکن ہو پائے گا وہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ انھوں نے اس بات کا اعتراف بھی کیا کہ اردو زبان کے اساتذہ کی الگ سے ٹریننگ ہونی چاہیے، ہم اس کے شیڈیول کے لیے ریاستی اکائی سے بات کرکے راہ ہموار کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ اردو زبان کی تعلیم کو یقینی بنانے وغیرہ مسائل پر سنجیدگی کے ساتھ گفتگو کے دوران قومی اساتذہ تنظیم بہار کے ریاستی کنوینر محمد رفیع، سکریٹری محمد تاج الدین، خزانچی محمد حماد، ریاستی مجلسِ عاملہ کے رکن نسیم اختر، کنوینر سمستی پور ذاکر حسین صدیقی، ضلع صدر نجم الہدیٰ، عامر عثمانی، ایم ڈی او کے ضلع صدر رضوان الحق، محمد تفسیر عالم، محمد شہاب الدین انصاری عرف شیرو وغیرہ شامل تھے۔ سکریٹری قومی اساتذہ تنظیم بہار محمد تاج الدین نے اس موقعے پر اساتذہ کی پریشانیوں سے ڈی پی او جناب جمال الدین کو واقف کرایا جس پر انھوں نے ڈی پی او اسٹیبلشمنٹ سے بات کرکے ممکنہ پیش رفت کی یقین دہانی کرائی۔ اس موقعے پر ٹی آر ای 3 کے اساتذہ اور دوسرے اضلاع سے ٹرانسفر ہوکر آئے اساتذہ کے ایل پی سی وغیرہ سے متعلق بھی گفتگو ہوئی جس پر انھوں نے جلد پیش رفت ہونے کی یقین دہانی کرائی۔ بتاتے چلیں کہ جناب جمال الدین انتہائی فعال اور اساتذہ کے حق میں بہتر افسر شمار کیے جاتے ہیں، اس لیے امید کی جاتی ہے کہ جن مسائل سے انھیں روبرو کرایا گیا ہے پوری ایمانداری کے ساتھ وہ اس پر عملی اقدام کریں گے اور قومی اساتذہ تنظیم کے اس قدم کا بہتر نتیجہ برآمد ہوگا۔ رضوان الحق نے بھی مدارس کے مسائل سے انھیں واقف کرایا اور ان کی توجہ اس سمت مبذول کرائی کہ بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے مدارس میں ایم ڈی ایم تو چل رہا ہے لیکن کچن شیڈ نہیں بنوائے جارہے ہیں۔ اس پر جمال الدین صاحب نے کہا کہ یہ پالیسی سازوں کا معاملہ ہے اور اس کے لیے ضلعی سطح سے بہت کچھ ممکن نہیں ہے، اس لیے انھوں نے مشورہ دیا کہ اسٹیٹ سطح پر اس سلسلے میں کوشش کی جائے۔ مدارس کے بچوں کو بھی تعلیمی سفر پر جانے کے لیے فنڈ مہیا کرانے، پانی کا نظام اور مدارس کے رنگ وروغن کرانے کے سلسلے میں بھی ان کی توجہ مبذول کرائی گئی۔

(قومی تنظیم۔پٹنہ)

اُردو ٹی ای ٹی اُمیدواروں نے

اپنی عرض داشت وزیرِ اعلا کو سونپی

پٹنہ (21 اگست)۔ صدسالہ پروگرام میں اردو ٹی ای ٹی امیدواروں نے کثیر تعداد میں شریک ہوکر وزیرِ اعلا نتیش کمار صاحب کی باتوں کو سنا اور اپنی درخواست وزیرِ اعلا نتیش کمار صاحب کے سامنے پیش کی۔ اردو بنگلہ ٹی ای ٹی کے ریاستی صدر مفتی حسن رضا امجدی نے کہا کہ اردو ٹی ای ٹی کا مسئلہ پورے بہار کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ وزیرِ اعلا کی باتوں سے امیدواروں میں ایک امید پیدا ہوئی ہے کہ ضرور ایسے وقت میں اردو ٹی ای ٹی کا مسئلہ حل ہوگا اور رزلٹ جاری ہوگا جہاں ہر چھوٹا بڑا مسئلہ حل کیا جارہا ہے وہاں اردو ٹی ای ٹی اقلیت کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ ریاستی صدر مفتی حسن رضا امجدی نے کہا کہ ہم پروگرام میں سیکڑوں امیدواروں کو لے کر موجود تھے، وزیرِ اعلا نے ہر کام کیا ہے، ہمیں امید ہے کہ اردو ٹی ای ٹی امیدواروں کا مسئلہ ضرور حل ہوگا کیوں کہ پورے بہار کی نظر اردو ٹی ای ٹی کے رزلٹ اور انصاف پر ہے۔ یہ معاملہ دس سالوں سے چل رہا ہے صرف یقین دہانی پر ہم 12 ہزار پورے بہار کے امیدوار جی رہے ہیں۔

(قومی تنظیم۔پٹنہ)

غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیرِ اہتمام

موسیقی کلاس اختتام پذیر

نئی دہلی (29 اگست)۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیرِ اہتمام موسیقی کلاسز اختتام پذیر ہوئیں۔ یہ چار ماہ کا کورس یکم مئی سے شروع ہوا تھا اور آج 29 اگست کو مکمل ہوا۔ اس موقعے پر ایوانِ غالب میں بزمِ موسیقی کا اہتمام کیا گیا۔ کلاس میں حصہ لینے والے طلبہ کی نمایاں کارکردگی سے حاضرین محظوظ ہوئے۔ جن طلبہ نے چار ماہ کا کورس کیا تھا انھوں نے غالب اور دیگر شعرا کا کلام پیش کیا اور خوب داد وصول کی۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر ادریس احمد نے کہا کہ مجھے بہت خوشی ہوتی ہے جب میں طلبہ کو دیکھتا ہوں کہ ان میں غزل گانے اور اس کے آداب برتنے کا اتنا ذوق پیدا ہوگیا ہے۔ اس کے لیے موسیقی کلاس کے استاد جناب عبدالرحمٰن کی محنت اور مشقت کی داد نہ دینا ناانصافی ہوگی۔ موسیقی کلاس کے استاد جناب عبدالرحمٰن نے اپنے طلبہ کی کارکردگی پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ایسے وقت میں جب لوگ علم وفن سے دور ہونے لگے ہیں مجھے ان کا انہماک اور ریاضت دیکھ کر بہت حوصلہ ملتا ہے۔

حکومتِ دہلی تمام لسانی اکادمیوں کی تشکیلِ نو جلد از جلد کرے

نئی دہلی (29 اگست)۔ دہلی میں بی جے پی حکومت کو چھے ماہ مکمل ہونے والے ہیں لیکن دہلی حکومت کے ماتحت کسی بھی لسانی اکادمی کی تشکیلِ نو کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہے۔ پانچ ماہ سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود ابھی تک کوئی پیش رفت نہیں دکھائی دے رہی ہے۔ گذشتہ برس 2024 میں دہلی اردو اکادمی کی گورننگ کونسل بنی تھی لیکن اس کو بھی نئی حکومت نے ختم کر دیا حتیٰ کہ اب حالت یہ ہے کہ یہاں سکریٹری بھی نہیں ہے۔

احسن عابد کو تبادلہ کر کے پانڈیچری بھیج دیا گیا ہے، ان کی جگہ سندھی اکادمی کے سکریٹری کو لنک آفیسر بنایا گیا ہے، یعنی ریکھا گپتا کی نظر میں احسن عابد کے تبادلے کے بعد دہلی میں اردو کا کوئی قابل آفیسر بھی نہیں ہے۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہے، دہلی اسٹیٹ حج کمیٹی کے ایگزیکٹو آفیسر ڈاکٹر اشفاق عارفی بہترین اردوداں آفیسر ہیں۔ عرصۂ دراز سے دہلی والوں کا یہ مطالبہ رہا ہے کہ حکومت ڈاکٹر عارفی کو اردو اکادمی دہلی کا سکریٹری بنائے تاکہ اکادمی صحیح معنوں میں اپنے قیام کے مقاصد کے تحت کام کر سکے۔ دوسری طرف لسانی کمیٹیوں بالخصوص دہلی اردو اکادمی کی تشکیلِ نو نہ ہونے سے اردوداں حلقے میں تشویش کا ماحول ہے۔

عروج فاؤنڈیشن کے صدر نعیم انصاری نے کہا کہ تمام لسانی اکادمیوں، کمیٹیوں، بورڈز اور کمیشنوں کی تشکیل کی جائے۔ خاص کر دہلی اردو اکادمی، دہلی وقف بورڈ اور دہلی اقلیتی کمیشن کی تشکیلِ نو جلد از جلد سرکار کو کرنی چاہیے۔ موجودہ سرکار کو بھی چھے ماہ ہونے والے ہیں جب تک ان سبھی کی تشکیلِ نو نہیں ہوگی وہاں کام کیسے ہوں گے۔ ڈاکٹر سنجے ڈینگرا نے کہا کہ ہمارے ملک میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں۔ دلّی میں بھی سرکار نے زبانوں کے فروغ کے لیے مختلف اکادمیاں قائم کی ہوئی ہیں لیکن جب تک ان کی تشکیل نہیں کی جائے گی تو زبانوں کے فروغ کا کام کیسے ہوگا۔ سرکار کو بنے ہوئے چھے ماہ ہو گئے ہیں لیکن کسی بھی لسانی اکادمی کی تشکیل نہ ہونا افسوسناک بات ہے۔ دہلی اردو اکادمی کے سابق ممبر شیخ علیم الدین اسعدی نے کہا کہ اکادمی کی کونسل نہ ہونے سے اس بار جشنِ آزادی کا مشاعرہ نہیں ہوا، بہت سارے کام جو کونسل کے ذریعے سے کیے جاتے ہیں بند پڑے ہیں، لہٰذا حکومتِ وقت کو چاہیے کہ وہ جلد از جلد دہلی اردو اکادمی کی تشکیلِ نو کرے تاکہ اکادمی کے کام بخوبی ہو سکیں۔ (انقلاب۔دہلی)

TRE-4 سے پہلے STET کے انعقاد پر فیصلہ جلد

وزیرِ تعلیم

پٹنہ (20 اگست)۔ بہار میں سرکاری ٹیچر بننے کی تیاری کر رہے نوجوانوں کے لیے ایک اہم اطلاع ہے۔ نتیش حکومت بہار پبلک سروس کمیشن (BPSC) کے اساتذہ بھرتی امتحان کے چوتھے مرحلے سے پہلے STET کرانے کے مطالبے پر غور کر رہی ہے۔ وزیرِ تعلیم سنیل کمار نے کہا کہ اس پر آئندہ آٹھ دس دنوں میں فیصلہ کیا جائے گا۔ واضح رہے کہ امیدوار TRE-4 سے پہلے STET امتحان کرانے کے لیے احتجاج کر رہے ہیں۔ وزیرِ تعلیم سنیل کمار نے پٹنہ میں میڈیا سے بات چیت میں کہا کہ حکومت بھی چاہتی ہے کہ جلد از جلد STET کا انعقاد ہو۔ انھوں نے کہا کہ امیدواروں کے مطالبات پر غور کیا جا رہا ہے، اس معاملے پر عہدیداروں سے بات کی جا رہی ہے۔ TRE-4 میں مضمون وار اساتذہ کی کمی کا اندازہ لگایا گیا ہے، اس کے مطابق درخواست بھیجی جائے گی۔ بہار میں اساتذہ کی بھرتی کے امتحان کے چوتھے مرحلے سے پہلے امیدوار STET کے مطالبے کو لے کر مسلسل احتجاج کر رہے ہیں۔ دو دن پہلے 18 اگست کو مختلف اضلاع سے بڑی تعداد میں طلبہ نے پٹنہ میں مارچ کیا۔ اس سے قبل 7 اگست کو بھی امیدواروں نے مظاہرہ کیا اور جلوس نکالا۔ اس دوران پولیس نے لاٹھی چارج کر کے مظاہرین کو منتشر کر دیا۔ امیدواروں کا کہنا ہے کہ نتیش حکومت نے کہا تھا کہ ایس ٹی ای ٹی امتحان سال میں دو بار منعقد کیا جائے گا، لیکن پچھلے ڈیڑھ سال میں ایک بار بھی STET کا انعقاد نہیں ہوا۔ اب حکومت نے BPSC TRE-4 کے بعد STET کرانے کی بات کی ہے جو غلط ہے۔

(قومی تنظیم۔پٹنہ)

رفتید ولے نہ از دلِ ما

شمیم صادقہ

پٹنہ۔ اردو کی مشہور و ممتاز افسانہ نگار شمیم صادقہ کا 30 اگست 2025 کو میدانتا اسپتال میں طویل علالت کے بعد انتقال ہو گیا۔ وہ تقریباً 78 برس کی تھیں۔ مرحومہ کے پس ماندگان میں دو بیٹے اور ایک بیٹی شامل ہیں۔ شمیم صادقہ نے اپنی بہترین افسانہ نگاری کے ذریعے دنیائے ادب میں بڑا مقام اور شہرت اور مقبولیت حاصل کی۔ ان کے تین افسانوی مجموعے 'کرچیاں'، 'ادھورے چہرے' اور 'طرحِ دیگر' شائع ہوئے اور اردو دنیا میں مقبول ہوئے۔ 'ادھورے چہرے' پر مغربی بنگال اردو اکادمی نے انھیں انعام بھی دیا تھا۔ درمیان میں انھوں نے تقریباً تین دہائیوں تک افسانہ نگاری ترک کر دی تھی لیکن اردو ڈائرکٹوریٹ کے ذریعے ایک بڑے ادبی پروگرام میں اعلا سطحی اعزاز ملنے پر تقریباً 30 برسوں کے بعد انھوں نے دوبارہ قلم اٹھایا تو 'صحرے کی پیاس' نامی افسانوی مجموعہ معرضِ وجود میں آیا۔ بہار کی خواتین افسانہ نگاروں میں شکیلہ اختر کے بعد جن افسانہ نگاروں کا نام احترام سے لیا جاتا ہے ان میں شمیم صادقہ ایک نمایاں نام ہے۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحومہ کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبرِ جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

موجودہ دور میں سائنس اور ٹیکنالوجی پر زیادہ توجہ کی ضرورت ہے: ڈاکٹر شمس اقبال

قومی اردو کونسل کے صدر دفتر میں نیچرل سائنس پینل کی میٹنگ

نئی دہلی (پریس ریلیز)۔ قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی کے صدر دفتر میں 'نیچرل سائنس پینل' کی میٹنگ ہوئی جس کی صدارت پروفیسر فضل الرحمٰن (سابق وائس چانسلر ڈاکٹر عبدالحق اردو یونی ورسٹی، آندھرا پردیش) نے کی۔ میٹنگ کے آغاز میں کونسل کی اسسٹنٹ ڈائرکٹر (اکیڈمک) ڈاکٹر شمع کوثر یزدانی نے تمام مہمانوں کا استقبال کیا۔ قومی کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد شمس اقبال نے افتتاحی کلمات ادا کرتے ہوئے کہا کہ سائنسی موضوعات پر کتابیں تیار کرنا وقت کی ضرورت ہے۔ انھوں نے کہا ہماری کوشش ہے کہ ایسے موضوعات پر کتابیں تیار کی جائیں جن سے اردو کے طلبہ اور اساتذہ زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکیں۔ طب کے موضوعات پر کونسل سے کئی اہم کتابیں شائع ہو چکی ہیں جس کے مثبت نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ موجودہ دور میں لٹریچر کے مقابلے میں سائنس اور ٹیکنالوجی پر زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ پروفیسر فضل الرحمٰن نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ آج کے دور میں ہمیں اگر آگے بڑھنا ہے اور زمانے سے کاندھے سے کاندھا ملا کر چلنا ہے تو سائنس و ٹیکنالوجی کی کتابوں کی طرف توجہ دینا ہوگا اور اردو کے قارئین کے لیے بھی ایسی کتابیں بے حد ضروری ہیں جن سے ان کی سائنسی معلومات میں اضافہ ہو۔ پروفیسر تسنیم فاطمہ (سابق پرو وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ) نے سائنسی موضوعات پر کونسل کی تیار شدہ کتابوں کی تعریف کی اور کہا کہ اس میں مزید بہتری کی گنجائش ہے۔ گورننگ کونسل کے ممبر ڈاکٹر ماجد تالی کوٹی نے قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں اور اس کے وژن کی تعریف کی اور کہا کہ سائنس جیسے اہم موضوع پر کونسل کی پیش رفت قابلِ مبارکباد ہے۔ ان کے علاوہ پرفیسر ایس رئیس الدین (ڈین اکیڈمک، جامعہ ہمدرد)،

...(بقیہ صفحہ 7 پر)

اردو ایک زبان ہی نہیں بلکہ اس ملک کی تہذیب ہے، اس کا ادب بیش بہا اثاثہ ہے

اصنافِ سخن گوئی کی نشست سے پروفیسر ٹی سری لکشمی، پروفیسر آمنہ تحسین، ڈاکٹر جاوید کمال اور ڈاکٹر رجنیش کا خطاب

حیدرآباد۔(25 اگست، پریس ریلیز)۔ انجمن ریختہ گویانِ حیدرآباد کے زیرِ اہتمام نیو گورنمنٹ ڈگری کالج برائے نسواں گولکنڈہ میں اصنافِ سخن گوئی کی نشست کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جس کی صدارت کالج کی پرنسپل پروفیسر ٹی سری لکشمی نے کی۔ اپنے خطاب میں انھوں نے کہا کہ اردو ایک زبان ہی نہیں بلکہ اس ملک کی تہذیب ہے، ایک مخصوص مہذب لب ولہجہ ہے۔ اپنے خطاب کو جاری رکھتے ہوئے انھوں نے مزید کہا کہ اردو اس ملک کی زبان اس ملک کی شان ہے وہ خود اس زبان کو سیکھ رہی ہیں۔ انھوں نے اس موقعے پر داغؔ دہلوی کا مشہور شعر پڑھا: 'اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ'۔ تقریب کی مہمانِ خصوصی پروفیسر آمنہ تحسین نے اردو زبان کے اصناف کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے کہا کہ رباعی، موضوعاتی نظمیں اور افسانوں میں تعلیم اور اقدار پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اس پر طالبات کو غور کرنا چاہیے، صرف امتحانی نکتۂ نظر سے نہیں پڑھنا چاہیے۔ انگریزی کے لکچرر ڈاکٹر رجنیش نے اردو زبان کی مٹھاس کو شیر خرما سے تعبیر کرتے ہوئے کہا کہ ان کے والد اور دادا ہندو ہوتے ہوئے بھی نہ صرف اردو بلکہ فارسی زبان پر بھی عبور رکھتے تھے۔ گویا ان کا گھرانہ بھی گنگا جمنی تہذیب کا گہوارہ تھا۔ وہ اردو بولنے والوں سے محبت وعقیدت سے ملتے ہیں۔ انھوں نے اردو کے معروف اشعار سنا کر داد و تحسین حاصل کی۔ ڈاکٹر جاوید کمال نے اصنافِ سخن گوئی کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے کہا ہمارا مقصد نئی نسل کو اردو کے عظیم اثاثہ سے واقف کروانا ہے اور معدوم ہوتی ہوئی اردو تہذیب کو پھر سے ایک نئی زندگی بخشنا ہے۔ انھوں نے کالج کی پرنسپل اور وائس پرنسپل ڈاکٹر حمیرہ سعید جو اصنافِ سخن گوئی کی کنوینز بھی ہیں کا شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے اپنے کالج میں ایک کامیاب اور خوب صورت تقریب کا اہتمام کیا۔ ڈاکٹر حمیرہ سعید نے ابتدا میں مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ ڈاکٹر گل رعنا، ڈاکٹر عطیہ مجیب عارفی، رفیعہ نوشین، لطیف الدین لطیف، جاوید محی الدین اور واجد محی الدین نے افسانہ، انشائیہ، نظمیں اور ڈراما پیش کیا۔ کالج کی طالبات سدرہ عارف، عرفہ ماہین، سکینہ بیگم، اسماء بی بی اور آمنہ بی بی نے بھی مختلف اصناف پیش کیں۔ لطیف الدین لطیف نے موثر انداز میں نظامت کے فرائض انجام دیے۔ حیدرآباد سے جناب کے این واصف، نجیب احمد نجیب، جناب ابومسعود، جناب بصیر خالد اور ابوعمر نے شرکت کی۔ کالج کی ایک طالبہ کے شکریے پر اس تقریب کا اختتام عمل میں آیا۔

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : پکارتے ہیں راستے (سفرنامے)
مصنف : ایس ایم حسینی
اشاعت : 2025
ضخامت : 280 صفحات
قیمت : 400 روپے
ناشر : نعمانی پرنٹنگ پریس، 178/157، بارودخانہ، گولہ گنج، لکھنؤ-226018
تبصرہ نگار : ڈاکٹر ابراہیم افسر

E-mail: ibraheem.siwal@gmail.com

سفر کی اہمیت وافادیت کے بارے میں احمد فراز کا درجِ ذیل شعر ذہن میں رکھتے ہوئے مسافرت کی مشکلات اور تکالیف کا اندازہ کیجیے:

کسی کو گھر سے نکلتے ہی مل گئی منزل
کوئی ہماری طرح عمر بھر سفر میں رہا

اُردو میں یوسف کمبل پوش کے سفرنامہ 'عجائباتِ فرنگ' (اشاعت 1847، دہلی) کو پہلا سفرنامہ تسلیم کیا گیا ہے۔ اس سفرنامے میں یوسف کمبل پوش نے ہندستان تا انگلستان کے سفر کی روداد کو دل چسپ انداز اور سادہ و پُرکشش اسلوب میں بیان کیا تھا۔ اس سفرنامے کی اشاعت کے بعد ادیبوں کی توجہ اس جانب مبذول ہوئی اور تادمِ تحریر سیکڑوں کی تعداد میں سفرنامے منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ زیرِ نظر سفرنامہ 'پکارتے ہیں راستے' بھی اسی سلسلے کی ایک تازہ کڑی ہے۔ ایس ایم حسینی نے اس کتاب میں کُل نو سفرنامے 'دِلی کے چوتھے کوچے، قبریں بولتی ہیں، چار مسافر چار شہر، لمحوں میں بدلتے منظر، آنکھ نے جو کچھ دیکھا، چمنِ شبلی سے گلشنِ سرسیّد تک، یادش بخیر بیٹھے تھے کل آشیانے میں، الف سے الٰہ آباد اور غبار آوارگی' شامل کیے ہیں۔ ایس ایم حسینی نے یہ تمام اسفار 2017 تا 2022 اپنے دوستوں کے ہمراہ، ہندستان کے مختلف شہروں اور تاریخی مقامات کے دیدار کرنے کے بعد قلم بند کیے۔ ان اسفار میں ایس ایم حسینی نے جس شہر اور مقام کو جیسا دیکھا ویسا بیان کرنے کی کامیاب سعی کی ہے۔ موصوف جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی کے شعبۂ اُردو سے ابھی پی ایچ ڈی کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور ان کی یہ پہلی نثری کاوش ہے۔ اپنے ملکی اسفار اور تاریخی شہروں اور مقامات کی سیر وسیاحت کے بارے میں وہ اپنے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

''میں نے ڈھیروں تاریخی مقامات کی سیر کی، قدرتی مناظر سے بھی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائی اور یہ سفر لفظوں کی صورت کاغذ پر بنتے چلے گئے۔ شاید اس لیے کہ یہ سفر دل کے قریب دوستوں کے ساتھ طے ہوئے اور انہی کی رفاقت نے ہر منظر کو یادگار بنا دیا۔ جب بوریت کا دائرہ تنگ ہونے لگے اور لمحے بوجھل ہو جائیں، تو روح سفر کے لیے مچل اُٹھتی ہے اور دوستوں کے ساتھ وقت گزارنے کا یہ ایک اچھا موقع بھی ہوتا ہے۔'' (ص 8)

بلاشبہ سفر انسان کی زندگی کے خوش گوار اور یادگار لمحوں میں سے ایک خوب صورت لمحہ ہوتا ہے۔ وہ ان لمحوں کو اپنے تجربات ومشاہدات کی بنا پر صفحۂ قرطاس کی زینت بناتا ہے۔ قاری جب سفرناموں کو پڑھتا ہے تو اس کے ذہن میں اُن مقامات کو دیکھنے کی چاہ وتڑپ ہلورے لینے لگتی ہے جنھیں وہ سفرناموں میں پڑھ رہا ہے۔ یہی ایک کامیاب سفرنامے کی خصوصیت اور پہچان ہے۔ ایس ایم حسینی نے بھی اپنے سفرناموں میں شہروں اور تاریخی مقامات کی جزئیات نگاری کا دل چسپ انداز میں ذکر کیا ہے۔ انھوں نے حاشیائی لوگوں اور چیزوں کو اپنے سفرناموں میں مرکزی کردار بنا دیا۔ 'دلی کے چوتھے کوچے' میں ایس ایم حسینی نے دہلی کے ہوٹلوں کے باہر کھڑے غریب ومفلس لوگوں کی قطاروں کا انوکھے انداز میں تفصیلی ذکر کیا۔ اس سے پہلے انھوں نے ہوٹلوں کے باہر اس طرح کے لوگوں کی قطار کو نہیں دیکھا تھا۔ انھوں نے اسی سفرنامے میں قطب مینار کو دیکھنے کے لیے آن لائن ٹکٹ خریدنے کی روداد کو قارئین کے سامنے اس انداز میں پیش کیا گویا وہ بھی قطار میں ان کے ساتھ کھڑے ہوں۔ دہلی کے اس سفر میں ایس ایم حسینی نے راشٹر پتی بھون، انڈیا گیٹ، چاندنی چوک، جامع مسجد، لال قلعہ، مزارِ بختیار کاکی، مزارِ سرمد، جے این یو اور نئی دہلی ریلوے اسٹیشن وغیرہ کے بارے میں دلچسپ معلومات رقم کی ہیں۔

ایس ایم حسینی نے سفرنامہ 'قبریں بولتی ہیں' (سفرنامہ آگرہ و فیروزآباد) میں آگرہ اور فیروزآباد کے سفر کی روداد کو قلم بند کیا ہے۔ موصوف نے یہ سفرنامہ 22 دسمبر 2020 کو قلم بند کیا تھا۔ انھوں نے اس سفر میں درپیش مسائل اور آگرہ شہر کے آٹو والوں کے ناروا سلوک کی روداد کو قارئین کے سامنے بیان کیا۔ انھوں نے تاج محل کی خوب صورتی اور یہاں آنے والے سیاحوں کے بارے میں بھی تفصیل سے لکھا ہے۔ انھوں نے آگرہ کی تاریخی عمارتوں کا تاریخی تجزیہ بھی اس سفرنامے میں پیش کیا۔ ایس ایم حسینی نے تاج محل پر اقبال اشہر اور ساحر لدھیانوی کی نظموں کو بھی اپنے سفرنامے میں نقل کیا۔ ساحر کی نظم کا ایک شعر ملاحظہ کیجیے:

اک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر
ہم غریبوں کی محبت کا اُڑایا ہے مذاق

سفرنامہ 'آنکھ نے جو دیکھا' (سفرنامۂ دارالعلوم دیوبند) میں انھوں نے لکھنؤ تا دیوبند کے سفر کی روداد کو قلم بند کیا۔ انھوں نے یہ سفر اطہر ایوبی کے ہم راہ 25 جنوری 2019 کو کیا تھا۔ ایس ایم حسینی نے دارالعلوم دیوبند کی مساجد، نظمِ طعام، مطبخ، طلبہ کی تعداد، مسافرخانہ، کتب خانہ، باب الظاہر، باب المدنی، مولسری کنواں، دارالحدیث، دارالشفا وغیرہ پر خاص توجہ دی۔ انھوں نے ایک ایک مقام کی جو منظرکشی کی، قاری اس کے سحر میں خود کو گرفتار محسوس کرتا ہے۔ ایس ایم حسینی نے دارالعلوم دیوبند کے مطبخ کا منظر طنز ومزاح کے انداز میں پیش کیا ہے۔ اسی طرح انھوں نے اس تاریخی شہر کے کئی مقامات کے مناظر کو اپنے سفرنامے میں بہ ذریعۂ قلم بیان کیا۔ یہاں کے تعلیمی نظام اور یہاں کے اکابرین کے بارے میں بھی اس سفرنامے میں تفصیلی گفتگو شامل ہے۔

ایس ایم حسینی نے 'غبارِ آوارگی' میں خیرآباد اور مضافاتِ سیتاپور کے سفر کی روداد کو پیش کیا ہے۔ اس سفر میں انھوں نے سیتاپور کے چائے خانوں اور یہاں کے لوگوں کی ضیافتوں کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے۔ یہ سفر انھوں نے اپنے دوست اجمل کے اصرار پر کیا۔

بہرکیف! ایس ایم حسینی نے زیرِ نظر کتاب میں اپنے سفری تجربات ومشاہدات کی بنیاد پر بہت ہی کارآمد باتیں قارئین کے سامنے پیش کی ہیں۔ انھوں نے اپنے قارئین کے لیے ہندستان کے مختلف شہروں اور تاریخی مقامات کی سیر کا انتظام 'پکارتے ہیں راستے' کی شکل میں کیا۔ معصوم مرادآبادی صاحب نے کتاب کی پشت پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ 'عمر ابھی پچیس سال ہوئی ہے اور اسی عمر میں انھوں نے نام پیدا کرنا شروع کر دیا ہے۔ حالاں کہ یہ عمر کچھ دیگر مشغلوں میں نام کمانے کی ہوتی ہے لیکن انھیں علم وادب سے جو گہرا شغف ہے اس نے انھیں تصنیف وتالیف کے رُخ پر ڈالا ہے۔ آج کے نوجوانوں میں یہ رجحان عام نہیں ہے... اس کا ثبوت ان کی یہ پہلی کتاب ہے۔' اسی طرح الیاس نعمانی صاحب نے 'ہونہار بروا' کے تحت لکھا کہ 'ایس ایم حسینی کا سفرناموں کا یہ مجموعہ بعض پہلوؤں سے حیرت ناک بھی ہے اور نیک مستقبل کا آئینہ دار بھی... ان کے یہ سفرنامے اکثر مقامات پر زبان کی روانی، اسلوب کی شائستگی، منظرکشی، مقامات کے تعارف، شخصیات کے تذکرہ اور ان پر تبصروں کے پہلو سے قاری کی توجہ اپنی جانب کھینچتے ہیں۔' حسن نواز شاہ نے بھی اسی طرح کے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ 'پکارتے ہیں راستے' ہند کے مختلف جغرافیوں کے اسفار پر مشتمل نہ صرف ایک معاصر دستاویز ہے بلکہ اپنی تہذیبی شناخت کی جستجو اور بازیافت کا بیانیہ بھی ہے۔'

ایس ایم حسینی نے جس سنجیدگی، متانت وذکاوت اور محنتِ شاقہ کے بعد اپنے سفرنامے قلم بند کیے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے اسفار صرف سیر وتفریح کے لیے نہیں کیے تھے بلکہ ان اسفار میں موجود زندگی کے مشکل اسباق کے درس کا مطالعہ بھی انھوں نے ذوق و شوق کے ساتھ کیا ہے۔ کامیاب اسفار کی یہی خوبی ہوتی ہے کہ وہ انسان کو تلخ وکرب ناک تجربات سے روشناس اور ذہنی شعور کو بالیدگی عطا کرتے ہیں۔ ایس ایم حسینی نے بھی اپنے اسفار کی روداد میں ایسے ہی تلخ وترش تجربات کو قارئین کے سامنے پیش کیا جنھیں پڑھ کر وہ زندگی کے مشکل درس سے نبردآزما ہوں۔ موصوف نے اپنے سفرناموں میں موقع ومحل کی مناسبت سے اشعار کو قلم بند کیا ہے۔ یہ بات ان کے وسیع مطالعے اور ادبی ذوق کی غماز ہے۔ زیرِ نظر کتاب کے منظرِ عام پر آنے سے قبل ایس ایم حسینی کی تحریریں تبصروں اور تجزیوں کی شکل میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ زمانۂ طالب علمی میں ملک کے گوشے گوشے اور مختلف شہروں سے واقفیت ہونا ایک خوش آئند بات ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ ایس ایم حسینی صرف کتابی علم کے شیدائی نہیں بلکہ عملی مشاہدہ ان کی زندگی کا نصب العین ہے۔ حالاں کہ طالب علمی کا زمانہ سیر وسیاحت کا زمانہ سمجھا جاتا ہے لیکن اپنے علم، فن اور لگن کی بنیاد پر اسفار کو قلم بند کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ اس موقعے پر راقم الحروف ایس ایم حسینی کو پہلی نثری کاوش کے منظرِ عام پر لانے کے لیے مبارک باد پیش کرتا ہے۔ ساتھ ہی ان کے روشن مستقبل کے لیے رب العزت سے دعا گو ہے۔

◆◆◆

اردو ہندی ڈکشنری

انجمن ترقی اردو (ہند)

قیمت: 300 روپے

اسٹینڈرڈ انگلش اُردو ڈکشنری

مولوی عبدالحق

قیمت: 500 روپے

میانِ من وتو

(تحقیقی و تنقیدی مضامین)

پروفیسر شاہد کمال

قیمت: 500 روپے

انقلاب و رومان کا نقیب: ساحرؔ لدھیانوی

(بقیہ صفحہ 8 سے آگے)

لوگ عورت کو فقط جسم سمجھ لیتے ہیں
روح بھی ہوتی ہے اس میں یہ کہاں سوچتے ہیں
جبر سے نسل بڑھے ظلم سے تن میل کریں
یہ عمل ہم میں ہے بے علم پرندوں میں نہیں
ہم جو انسانوں کی تہذیب لیے پھرتے ہے
ہم سا وحشی کوئی جنگل کے درندوں میں نہیں

ساحؔر تمام عمر انسانوں کے مسائل پر سوچتے رہے اور بھوک، افلاس اور عورتوں کے استحصال کے مسائل کو اپنے غور وفکر کا محور بناتے رہے، اس لیے جب وہ سالِ نو کا بھی گیت گاتے ہیں تو ان کی نگاہوں میں بھوک اور افلاس کا ہی منظر ہوتا ہے۔ سالِ نو کے گیت میں لکھتے ہیں:

اک مفلس دہقاں کی بیٹی
افسردہ مرجھائی ہوئی سی
جسم کے دکھتے جوڑ دباتی
آنچل سے سینے کو چھپاتی
مٹھی میں ایک نوٹ دبائے
جشن مناؤ سالِ نو کے
بھوکے زرد گداگر بچے
کار کے پیچھے بھاگ رہے ہیں
وقت سے پہلے جاگ اٹھے ہیں
پیپ بھری آنکھیں سہلاتے
سر کے پھوڑوں کو کھجلاتے
وہ دیکھو کچھ اور بھی نکلے
جشن مناؤ سالِ نو کے

(نظم: صبح نوروز)

ہم اس حقیقت سے بھی آگاہ ہیں کہ ساحؔر نے جہانِ ادب میں اس وقت آنکھ کھولی جب دوسری عالمی جنگ کے شعلے اپنے شباب پر تھے۔ انسان گاجر، مولی کی طرح کاٹے جا رہے تھے، انسانی خون کی قیمت پانی سے بھی کم ہوگئی تھی، ہر ایک طرف افراتفری کا ماحول تھا۔ ساحؔر کے دل میں نہ صرف انسانیت کی اعلا قدروں کا احترام تھا بلکہ وہ امن کے علمبردار بھی تھے۔ انھوں نے جب اپنی آنکھوں سے انسانیت کے شیرازے کو بکھرتے دیکھا تو ان کا ہمدرد دل تڑپ اٹھا اور وہ جنگ کے خلاف آواز بلند کرنے لگے۔ انھوں نے امن وشانتی کا پیغام گھر گھر پہنچانے کا عہد کیا جس میں انھیں کامیابی بھی نصیب ہوئی۔ وہ کہتے ہیں:

خون اپنا ہو یا پرایا ہو
نسلِ آدم کا خون ہے آخر
جنگ مشرق میں ہو کہ مغرب میں
امنِ عالم کا خون ہے آخر
بم گھروں پر گرے کہ سرحد پر
روحِ تعمیر زخم کھاتی ہے
کھیت اپنے جلیں کہ غیروں کے
زیست فاقوں سے تلملاتی ہے

ساحؔر لدھیانوی دوسری عالمگیر جنگ کا رونا تو روتے ہی ہیں ساتھ ہی آنے والی نسلوں کو تیسری جنگِ عظیم سے ہوشیار رہنے کی تلقین بھی کرتے ہیں:

گذشتہ جنگ میں گھر ہی جلے مگر اس بار
عجب نہیں کہ یہ تنہائیاں بھی جل جائیں

ساحؔر نے امن وسلامتی کے موضوع پر بے شمار اشعار لکھے ہیں اس سلسلے کی ایک نظم ''پرچھائیاں'' ہے جو اپنے موضوع وفن کے اعتبار سے اردو ادب میں بے مثال شاعری کی حیثیت رکھتی ہے۔ جیسا کہ خواجہ احمد عباس نے اس نظم کے متعلق کہا تھا کہ 'پرچھائیاں' جس کا لفظی ترجمہ سایے ہیں، اس میں ایک ایسے موضوع پر قلم اٹھایا گیا ہے جو عالمگیر بھی ہے اور ابدی بھی اور جو بین الاقوامی سطح پر اخبار کی سب سے اہم اور نمایاں سرخی بن گیا ہے یہ بہت ضروری ہے کہ ایک شاعر اس کے حق میں آواز اٹھائے اور سلامتی کا ترانہ گائے۔

بیسویں صدی ادبی تحریکات اور رجحانات کی صدی رہی ہے۔ بالخصوص ترقی پسند تحریک اور پھر بعد میں حلقۂ اربابِ ذوق سے وابستہ شعرا اپنی شاعری میں سماجی، معاشرتی، ثقافتی، سیاسی اور مذہبی جبر و استحصال کے موضوعات کو بطور منشور پیش کرنے لگے تھے کہ ان شعرا و ادبا کے فکر ونظر میں تبدیلی کے چراغ روشن ہو چکے تھے۔ اردو کے نامور ناقد پروفیسر قمر رئیس نے بجا لکھا ہے:

''وہ فکر واحساس کی نئی اور توانا لہروں کے سہارے زندگی کی بدلتی حقیقتوں کو زیادہ عقلی اور معروضی زاویوں سے دیکھ رہے تھے اور ادب میں اپنی سوچ کا زیادہ بیبا کی اور آزادی سے اظہار کرنے پر مصر تھے''۔ (ترقی پسند ادب کے معمار)

ساحؔر بھی ترقی پسند نظریہ کے پاسدار اور امن پسند انسان تھے۔ ان کا دل انسانیت کے درد سے لبریز تھا اس لیے جب کبھی وہ ایک انسان کو دوسرے انسان سے لڑتے جھگڑتے دیکھتے ہیں تو ان کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ ان کا پیغام تھا کہ جنگ کسی مسئلہ کا حل تلاش نہیں کر سکتی جیسا کہ انھوں نے اپنی ایک نظم میں ان خیالات کا اظہار یوں کیا ہے:

ظلم کی بات ہی کیا ظلم کی اوقات ہی کیا
ظلم بس ظلم ہے آغاز سے انجام تلک
خون پھر خون ہے سو شکل بدل سکتا ہے
ایسی شکلیں کہ مٹاؤ تو مٹائے نہ بنے
ایسے شعلے کہ بجھاؤ تو بجھائے نہ بنے
ایسے نعرے کہ دباؤ تو دبائے نہ بنے

(نظم 'خون پھر خون ہے')

اور ایک دوسری نظم میں کہتے ہیں:

جنگ تو خود ہی ایک مسئلہ ہے
جنگ کیا مسئلوں کا حل دے گی
آگ اور خون آج بخشے گی
بھوک اور احتیاج کل دے گی
اس لیے اے شریف انسانو!
جنگ ٹلتی رہے تو بہتر ہے
آپ اور ہم سبھی کے آنگن میں
شمع جلتی رہے تو بہتر ہے

(نظم: اے شریف انسانو)

میرے خیال میں ساحؔر مذہبِ انسانیت کے علمبردار تھے۔ وہ انسان پرستی کو ایک عبادت سمجھتے تھے۔ فرقہ پرستی ان کے سامنے ایک بدترین شے تھی وہ ہمیشہ فرقہ پرستی سے نفرت کرتے رہے۔ ان کے سامنے کوئی بھید بھاؤ نہ تھا وہ دنیا کے تمام مذاہب کو ایک سا تسلیم کرتے تھے۔ جیسا کہ وہ کہتے ہیں:

نفرت جو سکھائے وہ دھرم تیرا نہیں ہے
انساں کو جو روندے وہ قدم تیرا نہیں ہے
قرآن نہ ہو جس میں وہ مندر نہیں تیرا
گیتا نہ ہو جس میں وہ حرم تیرا نہیں ہے

اور ایک دوسری جگہ کہتے ہیں:

کعبے میں ہو یا کاشی میں، مطلب تو اسی کی ذات سے ہے
تم رام کہو کہ رحیم کہو، مقصد تو اسی کی ذات سے ہے

مجموعی طور پر جب ہم ان کی شاعری کی روشنی میں ساحؔر لدھیانوی کے متعلق کوئی حتمی رائے قائم کرتے ہیں تو اس حقیقت کا اعتراف کرنا ہی پڑتا ہے کہ ساحؔر اپنے عہد کے کامل عکاس تھے اور مذہبِ انسانیت کے عظیم نمائندہ!

یہ حسنِ اتفاق ہے کہ ان دنوں ساحؔر صدی تقریبات قومی اور بین الاقوامی سطح پر منعقد ہو رہی ہیں اور ساحؔر کی ہمہ جہت شخصیت اور افکار ونظریات کی اہمیت وافادیت کا اعتراف کیا جا رہا ہے۔ میری یہ حقیر کوشش بھی ساحؔر لدھیانوی کی ہمہ جہت شخصیت اور ان کی کائناتی فکر ونظر کا اعترافیہ ہے۔ میں اپنی طالبِ علمی کے زمانے سے ہی ساحؔر لدھیانوی کی شاعری سے متاثر رہا ہوں۔ میری پہلی کتاب 'تنقیدی بصیرت' (1996) میں بھی ساحؔر لدھیانوی کے افکار ونظریات پر مبنی ایک مقالہ شامل ہے۔ حال ہی میں میں نے اپنے ریسرچ جرنل 'جہانِ اردو' بابت ماہ جنوری تا مارچ 2024 میں ساحؔر لدھیانوی کی شخصیت اور فکر وفن پر ایک گوشہ شائع کیا ہے۔ میرے خیال میں ساحؔر صدی تقریبات کی مناسبت سے ساحؔر کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کیا جانا نہ صرف ساحؔر جیسے اردو کے نمائندہ شاعر کے تئیں میرا اظہارِ محبت ہے بلکہ اردو شاعری کو غیر اردو داں کے دلوں کی دھڑکن بنانے والے عظیم فنکار کو خراجِ عقیدت پیش کرنا بھی ہے۔ واضح ہو کہ ساحؔر نے اپنی فلمی شاعری اور نظمیہ وغزلیہ شاعری سے اردو شاعری کے ساتھ ساتھ اردو زبان کے فروغ کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ مگر افسوس صد افسوس کہ اردو تنقید کے باب میں ساحؔر کو وہ مقام حاصل نہیں ہو سکا ہے جس کے وہ متقاضی ہیں۔

پروفیسر مشتاق احمد
پرنسپل، سی. ایم. کالج، دربھنگہ (بہار)
E-mail: rm.meezan@gmail.com
Mob. No. 9431414586

موجودہ دور میں سائنس اور ٹیکنالوجی پر زیادہ توجہ کی ضرورت ہے

(بقیہ صفحہ 5 سے آگے)

پروفیسر اسداللہ خان (علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی)، پروفیسر شاہد علی خان (جامعہ ملیہ اسلامیہ)، ڈاکٹر رفیع الدین ناصر (مولانا آزاد کالج، اورنگ آباد، مہاراشٹر) اور جناب ادریس احمد خان نے بھی موضوع سے متعلق بہت اہم گفتگو کی اور مفید مشورے بھی دیے۔ میٹنگ کے دوران ممبران نے اس پینل کے تحت جاری اور مکمل شدہ مختلف پروجیکٹس کی صورتِ حال کا جائزہ لیا اور ان کے تعلق سے اہم فیصلے لیے گئے۔ اس موقعے پر کونسل سے ڈاکٹر مسرت (ریسرچ آفیسر، اکیڈمک)، ذیشان فاطمہ (ریسرچ اسسٹنٹ) اور ڈاکٹر شاداب شمیم (پروجیکٹ اسسٹنٹ) وغیرہ بھی موجود رہے۔

◆◆◆◆

انقلاب و رومان کا نقیب: ساحرؔ لدھیانوی

مشتاق احمد

شاعر یا ادیب اپنے عہد کا عکاس ہوتا ہے۔ وہ جس ماحول کا پروردہ ہوتا ہے اس کے افکار ونظریات اسی کے آئینہ دار ہوتے ہیں کہ کوئی بھی شخص اپنے گردوپیش سے بے خبر نہیں رہ سکتا، اس لیے ادیب یا فنکار اپنے ماحول سے اثر انداز ہوتا ہے تو اسے اپنے فکروفن کی صورت میں لوٹاتا بھی ہے کیوں کہ اگر کوئی واقعہ اس کے گردوپیش میں رونما ہوتا ہے تو اس سے وہ بھی متاثر ہوتا ہے۔ ایک عام آدمی اور فنکار میں بس یہی فرق ہے کہ عام آدمی کے اوپر جو کچھ گزرتا ہے وہ اسے اپنے آپ تک ہی محدود رکھتا ہے جب کہ ایک فنکار اور ادیب اپنے اوپر ہوئے اثرات کو اوروں تک بھی منتقل کرنے کا کام کرتا ہے۔ ساحر لدھیانوی کا یہ شعر اسی حقیقت کا ترجمان ہے:

دنیا نے تجربات وحوادث کی شکل میں
جو کچھ مجھے دیا ہے وہ لوٹا رہا ہوں میں

عالمی ادب میں اپنی مستحکم شناخت رکھنے والے معروف مفکر تین (Tain) نے بڑے پتے کی بات کہی ہے:

”فن کوئی ایسی شے نہیں جو اپنے ماحول سے منقطع اور بے نیاز ہو لہٰذا اسے سمجھنے کے لیے ہمیں اس عہد کے ذہنی اور معاشرتی حالات ومحرکات کا لازمی طور پر مطالعہ کرنا ہوگا جو اس کی تخلیق کا باعث ہوئے ہیں۔“ (فلاسفی آف آرٹ)

ساحرؔ لدھیانوی کے حالاتِ زندگی پر سرسری نگاہ ڈالنے سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ ساحرؔ ایک ایسے فنکار تھے جن کا مقدر ہی احساس کی بھٹی میں جل کر کندن بنا تھا اور ہم سب اس ازلی وابدی حقیقت سے بھی آگاہ ہیں کہ کوئی بھی فن اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا خالق احساس کے شعلوں میں جل کر اپنے خونِ جگر سے اس فن کی تخلیق نہیں کرتا۔ جیسا کہ علامہ اقبالؔ نے کہا ہے:

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

ساحرؔ کی شاعری کے مطالعے سے یہ عقدہ اجاگر ہوتا ہے کہ ساحرؔ نے اپنے فن کی تخلیق خونِ دل میں انگلیاں ڈبو کر کی ہے۔ انھوں نے اپنی تخلیقات میں وہی کچھ پیش کیا جو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور دل میں محسوس کیا۔ ہم سب اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ ایک سچا ادیب وہ ہے جس کا ادب اور فن اپنے عہد کا آئینہ ہوتا ہے۔ اس قول کی روشنی میں ساحرؔ ایک سچا ادیب وفنکار ہے کہ ان کا فن اپنے عہد کی ہو بہو عکاسی کرتا ہے۔ ساحر کے دور میں جو سیاسی بحران اور سماجی برائیاں تھیں، مزدوروں اور کسانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے، عورتوں کا جس طرح استحصال ہو رہا تھا ساحر نے ان تمام حقائق کو اپنی آنکھوں سے نہ صرف دیکھا بلکہ انھیں اپنے فکروفن کے ذریعے ہمارے سامنے پیش بھی کیا۔ مختصراً ساحرؔ لدھیانوی کی شاعری ان کے تجربات اور مشاہدات کا ہی ثمرہ ہے۔

یہاں یہ ذکر بھی لازم ہے کہ ساحرؔ لدھیانوی نے دیگر ترقی پسندوں کی طرح صرف اور صرف گھن گرج کی شاعری نہیں کی ہے۔ ان کی نظمیں ہوں کہ غزلیں، موضوعی اعتبار سے ترقی پسندیت کی ترجمان ضرور ہیں لیکن ان کے یہاں ایک ایسی آہستگی ہے جو کلاسکیت کی آنچ معلوم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی فلمی شاعری بھی ادبِ عالیہ کی بہترین مثال ہے اور ادبیت کی فضا سے لبریز ہے۔ دیگر فلمی شاعروں کے یہاں یہ وصف دیکھنے کو نہیں ملتا، یہی وجہ ہے کہ ساحرؔ لدھیانوی اپنے ہم عصر فلمی شاعروں کی صف میں بھی قد آور رہے اور دنیائے ادب میں بھی انھیں امتیاز حاصل رہا۔ ساحر لدھیانوی کے سیکڑوں اشعار زبان زدِ خاص وعام ہیں تو اس کی واحد وجہ ان کا منفرد اسلوب ہے اور ادبیت سے بھرپور فکر ونظر کی ترجمانی ہے۔

ساحرؔ ایک حساس دل کے مالک تھے اور جب ان کی آنکھوں نے دیکھا کہ غریب، مزدور، کسان اور سماج کے پسماندہ طبقے کے افراد کو دبایا و کچلا جا رہا ہے، عورتوں کو محض ایک کھلونا تصور کیا جا رہا ہے تو وہ خون کے آنسو روتے ہیں اور ان تمام مظالم کے خلاف اپنے قلم کو جنبش دیتے ہیں:

مرے سرکش ترانوں کی حقیقت ہے تو اتنی ہے
کہ جب میں دیکھتا ہوں بھوک کے مارے کسانوں کو
غریبوں، مفلسوں کو، بیکسوں کو بے سہاروں کو
سسکتی نازنینوں کو، تڑپتے نوجوانوں کو
حکومت کے تشدد کو، امارت کے تکبر کو
کسی کے چیتھڑوں کو اور شہنشاہی خزانوں کو
تو دل تابِ نشاطِ بزمِ عشرت لا نہیں سکتا
میں چاہوں بھی تو خواب آور ترانے گا نہیں سکتا

(نظم: میرے گیت)

میرے خیال میں جس طرح اردو افسانہ نگاری میں پریم چند اور راجندر سنگھ بیدیؔ نے عورتوں کے دکھ درد کو اپنی تخلیقات کے ذریعے اجاگر کیا ہے ٹھیک اسی طرح شاعری میں ترقی پسند شعرا بالخصوص ساحر لدھیانوی نے عورتوں پر ہو رہے ظلم وستم کی کھلے دل سے مذمت بھی کی اور ان کی عظمتوں کو قبول کرنے کے لیے ہمارے ضمیر کو دعوتِ فکر بھی دی ہے۔ انھوں نے عورت ذات سے جس قدر محبت اور ہمدردی جتائی ہے اس کی مثال ہم عصر اردو شاعری میں کہیں اور دیکھنے کو نہیں ملتی۔ وہ کہتے ہیں:

...(بقیہ صفحہ 7 پر)

ہم اس حقیقت سے بھی آگاہ ہیں کہ ساحرؔ نے جہانِ ادب میں اس وقت آنکھ کھولی جب دوسری عالمی جنگ کے شعلے اپنے شباب پر تھے۔ انسان گاجر، مولی کی طرح کاٹے جا رہے تھے، انسانی خون کی قیمت پانی سے بھی کم ہو گئی تھی، ہر ایک طرف افراتفری کا ماحول تھا۔ ساحرؔ کے دل میں نہ صرف انسانیت کی اعلا قدروں کا احترام تھا بلکہ وہ امن کے علمبردار بھی تھے۔ انھوں نے جب اپنی آنکھوں سے انسانیت کے شیرازے کو بکھرتے دیکھا تو ان کا ہمدرد دل تڑپ اٹھا اور وہ جنگ کے خلاف آواز بلند کرنے لگے۔ انھوں نے امن وشانتی کا پیغام گھر گھر پہنچانے کا عہد کیا جس میں انھیں کامیابی بھی نصیب ہوئی۔

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے **(ادارہ)**

مدیر : **اطہر فاروقی**
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر: محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-٦
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722